جسٹس بشیر احمد صاحب سعیدؒ

حیات شخصیت اور سیرت

از محمد یوسف کوکن پرنسپل جمالیہ عربی کالج مدراس ۱۲

افسوس صد افسوس کہ ۷ر فروری کی صبح کو دس بجے جناب جسٹس بشیر احمد صاحب سعید کا حرکت قلب کے بند ہونے کی وجہ سے انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی زندگی ہم سب کے لیے ایک نمونۂ حیات تھی۔ ان کی وفات سے مسلمانوں کی علمی و دینی و ثقافتی حیات میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے جس کے پر ہونے کی کوئی امید نہیں کی جا سکتی۔ چونکہ ان کے لڑکے اور لڑکیاں کناڈا اور امریکہ میں تھے اور ان میں سے تین مدراس آرہے تھے اس لیے ان کا جنازہ یوں ہی رکھا گیا اور ۱۰ر فروری کو جمعہ کی نماز کے بعد مسجد لخ النازل میلاپور کے احاطہ میں ان کو دفن کیا گیا۔

آپ خاندانِ نوایط کے ایک اہم فرد ہیں جو آٹھویں صدی ہجری میں بصرہ سے آکر بیجاپور وغیرہ میں آباد ہوا تھا۔ پھر جب نواب سعادت اللہ خاں نائطی نے ۱۲۱۳ھ میں ارکاٹ میں اسلامی حکومت قائم کی تو یہاں آرکاٹ ویلور مدراس جنجی وغیرہ آکر آباد ہوگئے اور مختلف مناصب پر فائز رہے۔

آپ کے والد، دادا اور پردادا یونانی طب میں بہت کمال رکھتے تھے۔ اس کی وجہ سے عوام میں ان کی بڑی عزت تھی۔ آپ کے پردادا حکیم محمد علی کو گورنر مدراس بالفور کی طرف سے "حاذق یار خاں" کا خطاب ملا تھا۔ نواب غلام غوث خاں والا جاہ پنجم المتوفی ۱۸۵۵ء کے دربار میں ان کی بڑی عزت تھی۔ مگر جب ان کے اور نواب صاحب کے درمیان کچھ رنجش پیدا ہوگئی تو مدراس چھوڑ کر ۷۰ میل جنوب میں سرواڈی چلے گئے اور وہاں چند

ایکڑ زمین خریدی جو آج بھی جسٹس بشیر احمد صاحب سعید اور ان کے بھائیوں کے قبضے میں ہے۔ آپ کے دادا حکیم اسد اللہ صاحب سعید بھی بہت ماہر حکیم تھے۔ ہندو مسلمان اور عیسائی سبھی علاج کے لیے ان کے پاس آتے تھے اور شفایاب ہوتے تھے۔ ان کا ۱۹۱۶ء میں انتقال ہوا اور وہ سرواڈی میں دفن ہوئے۔

آپ کے والد حکیم محمد قادر حسین سعید بھی اچھے حکیم تھے۔ ان کے پاس عربی، فارسی اور اردو مخطوطات کا ایک بڑا ذخیرہ تھا۔ جس کو جسٹس صاحب مرحوم نے حکیم عبد الحمید کے انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز دہلی منتقل کر دیا۔ حکیم محمد قادر حسین صاحب سعید ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۶۵ء میں وفات پائی اور فخر المنازل میلاپور کے خصوصی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

حکیم محمد قادر حسین صاحب سعید نے مولانا نظام الدین فرخی کی صاحبزادی عزیزالنساء بیگم سے شادی کی تھی۔ جن سے کئی لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ جن میں جسٹس بشیر احمد صاحب سعید تیسرے فرزند ہیں۔ یہ ۲۰ فروری ۱۹۰۰ء کو مدراس میں پیدا ہوئے۔ چونکہ والدین سرواڈی میں رہتے تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم سرواڈی میں ہوئی۔ ثانوی تعلیم مدراس میں ہوئی۔ ثانوی تعلیم کے بعد کرسچین کالج مدراس میں بی، اے پھر ایم اے کیا اور قانون کی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۲۳ء میں بی بی - ایل پاس کیا۔

آپ کی مادری زبان دکھنی تھی۔ آپ نے آمدن زبانی یاد کر لی تو آپ کے والد ماجد نے ایک اٹھنی انعام میں دی جو اس وقت بڑی قیمتی سمجھی جاتی تھی۔ انھیں بہت سے فارسی اور اردو اشعار زبانی یاد ہو گئے تھے۔ جن کو وہ اپنی نجی صحبتوں میں بڑے ذوق و شوق کے ساتھ دہرایا کرتے تھے۔ بچپن میں یاد کیا تھا اس لیے آخری وقت تک انھیں یاد رہا۔

آپ نے تامل زبان پڑھی اور مدورے کے مشہور تامل ادارے تامل سنگم سے ۱۹۱۵ء میں تامل کا اعلیٰ امتحان پاس کیا۔ انھیں تامل کی مشہور کہاوتیں اور ضرب الامثال اور محاورے

زبانی یاد ہو گئے تھے۔ اور ان کو اس طرح برجستہ استعمال کرتے تھے کہ یہاں کے بڑے بڑے تامل خطیبوں کو ان پر بے حد تعجب ہوتا تھا وہ کہا کرتے تھے کہ بشیر احمد صاحب سعید ہم سب سے بہتر تامل زبان بولتے ہیں۔

قانون کی ڈگری لینے کے بعد وہ سیاست میں حصہ لینا چاہتے تھے مگر ان کے والد نے انھیں روک دیا اور کہا کہ قانون میں مہارت حاصل کر کے روپیہ کماؤ اور قوم کی خدمت کرو بشیر صاحب نے گاندھی جی کو لکھا کہ اس حالت میں انھیں کیا کرنا چاہیے۔ انھوں نے جواب دیا کہ کانگرس کے ممبر بن جاؤ اور عملی سیاست میں حصہ نہ لو بلکہ لوگوں کو کانگریس کا ممبر بناؤ۔ انھوں نے چھ ہزار ممبر بنائے۔

وہ پراونشیل کانگریس کمیٹی کے سکریٹری رہے اور پھر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی کارروائیوں میں حصہ لیا۔ مدراس کے بڑے بڑے ہندوؤں سے ان کے تعلقات رہے اور انھوں نے کارپوریشن آف مدراس اور مدراس لیجسلیٹو اسمبلی کی ممبری کو کامیاب بنانے میں ان کی بڑی مدد کی۔ وہ کئی سال تک ان دونوں اداروں کے ایک اہم ممبر رہے اور مسلمانوں کی اصلاح کرنے میں ان کا بہت زیادہ حصہ رہا۔ انھوں نے لیجسلیٹو اسمبلی میں ایک مسودہ پیش کیا کہ حکومت کی جانب سے مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے اور پھر مسلم کمیٹی کے ذریعہ اس روپے کو مسلمانوں کے اصلاحی امور پر خرچ کیا جائے مگر یہاں کے مسلمان ممبروں نے اس مسودہ کی سخت مخالفت کی اس لیے یہ مسودہ ملتوی ہو گیا۔ ۱۹۱۸ء میں مسلمانوں کے لیے گورنمنٹ محمڈن کالج قائم ہو رہا تھا جس کے ایک پرنسپل ڈاکٹر محمد عبدالحق صاحب مرحوم بھی تھے جسٹس بشیر احمد صاحب سعید نے حکومت وقت سے کہہ کر یہ نام بدلوایا اور اس کا نام گورنمنٹ مسلم کالج رکھا۔ آزادی کے حصول کے بعد حکومت تامل ناڈو نے اس کا نام گورنمنٹ آرٹس کالج کر دیا جو اب تک قائم ہے۔

مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کے لیے مدراس میں گورنمنٹ ہوبرٹس ہائی اسکول قائم ہوا تھا، جسٹس صاحب اور اُن کے رفقاء کی کوششوں سے یہ اسکول ایک کالج کی صورت میں بدل گیا۔ چونکہ مدراس کے مسلمانوں نے جناب محمد اسمٰعیل مرحوم کی قیادت میں قیام پاکستان کی حمایت کی تھی اس لیے حکومت مدراس نے گورنمنٹ ہوبرٹس کالج کو خفیہ طور پر ایک ہندو مالدار ایڈوکیٹ ڈی۔ایل۔ ایتھراج کے حوالے کر دیا اور یہ کالج رائے پیٹھ سے اٹھا کر اس کے وسیع بنگلے میں قائم کر دیا گیا۔ جناب جسٹس بشیر احمد صاحب سعید نے اس سلسلے میں آواز اٹھائی اور حکومت کے خلاف احتجاج کیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس لیے انھوں نے عزم کر لیا کہ مسلمان طلبہ اور طالبات کے لیے الگ الگ کالج قائم کریں گے، آپ نے مسلم ایجوکیشنل ایسوسیشن آف سدرن انڈیا مدراس کے سکریٹری ہوئے تو رائے پیٹھ میں ۱۲ ایکڑ زمین کا احاطہ ساڑھے چار لاکھ روپیوں میں خریدا۔ اس کی زمین درست کی اور پھر یہاں ۱۹۵۱ء میں نیو کالج کے نام سے ایک کالج قائم کیا۔ آپ کا یہ ارادہ تھا کہ لڑکیوں کے لیے بھی اسی طرح کا ایک کالج قائم کریں مگر جنرل باڈی میٹنگ کے بہت سے ممبروں نے اس کی سخت مخالفت کی اس لیے اس کی ممبری سے علیحدہ ہو گئے اور ۱۹۵۱ء میں سدرن انڈیا ایجوکیشن ٹرسٹ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور اس کے لیے ایک بہت بڑا فنڈ جمع کیا۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بلاد عربیہ اور مشرق اقصیٰ کے مختلف شہروں کا دورہ کیا۔ حاکم قطر نے ایک لاکھ دس ہزار روپیہ چندہ دیا۔ اسی طرح بہت سے ذی ثروت لوگوں نے بڑی بڑی رقمیں دیں۔ انھوں نے اس مقصد کے لیے شہر مدراس کے وسط میں سولہ ایکڑ زمین خریدی اور اس پر شاندار عمارتیں قائم کیں اور ۱۹۵۵ء سے کالج جاری ہوا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اس کالج کا افتتاح کیا اور مولانا ابوالکلام آزاد نے پہلے ہاسٹل کی بنیاد رکھی۔ یہ کالج دن بدن ترقی کرتا گیا جسٹس صاحب مرحوم کا ارادہ تھا کہ اس کالج کو ترقی دے کر لڑکیوں کی [illegible]

مگر دوسری رکاوٹیں ایسی پیش آئیں کہ ان کا یہ مقصد پورا نہ ہو سکا۔ جب ۱۹۰۹ء میں مصری سفارت خانۂ دہلی سے ڈاکٹر ریاض العتر مدراس تشریف لائے تو میں نے ان کو جسٹس صاحب سے ملایا۔ انھوں نے کالج کی مختلف عمارتوں کے سامنے کھڑے ہو کر پندرہ بیس فوٹو لیے۔ ڈاکٹر ریاض العتر نے مجھ سے عربی میں کہا کہ اگر چار سال کے اندر یہ شاندار عمارتیں قائم ہو گئی ہیں تو ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ اس کی مثال دوسری جگہ ملنا مشکل ہے۔ جسٹس صاحب نے ان فوٹوؤں کا البم بنایا اور ڈاکٹر ریاض العتر کو بھیج دیا۔ پھر فوراً ہی کرنل جمال عبدالناصر کو دعوت دی کہ اس کالج میں ایک اور ہاسٹل کی بنیاد رکھیں۔ جمال عبدالناصر نے فطری طور پر دہلی کے سفارت خانے سے پوچھا۔ ڈاکٹر ریاض العتر نے اس کالج کے متعلق ایک بہترین رپورٹ بھیجی۔ اس پر جمال عبدالناصر نے دعوت قبول کر لی۔ یہاں کے لوگ اخوان المسلمین کے ساتھ سختی کرنے کی وجہ سے جمال عبدالناصر کو ناپسند کرتے تھے۔ مگر جب اچانک یہ خبر پھیلی تو ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ جمال عبدالناصر نے کیسے ان کی یہ دعوت قبول کر لی۔ اس کا راز بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ انھوں نے ڈاکٹر ریاض العتر کی بڑی عزت کی اور ان کے فوٹوؤں کا البم بنا کر انھیں بھیج دیا۔ جب جمال عبدالناصر ۱۹۶۰ء میں یہاں آئے تو ان کے استقبال کے لیے ایک شاندار پنڈال تیار کروایا تھا اور ان کو انگریزی اور عربی میں ایک استقبالیہ دیا اور ان کی مدح میں عربی میں ایک نظم لکھی گئی تھی جس کو میں نے پڑھ کر سنایا تھا۔ میں نے اپنی چند کتابیں بھی ان کو ہدیہ دی تھیں۔ واپس جانے کے بعد انھوں نے اس کالج کی امداد و اعانت کے لیے تین ہزار جنیہ یعنی چالیس ہزار روپیہ بھیجا۔

انھوں نے آریا مہر محمد رضا شاہ پہلوی کو ۱۹۶۹ء میں اور ملک حسین شاہ اردن کو بھی ۱۹۷۲ء میں دعوت دی تھی۔ محمد رضا شاہ پہلوی نے ایس۔ آئی۔ ای۔ ٹی کالج کی عظیم الشان عمارت کی بنیاد رکھی۔ محمد رضا شاہ اور ملک حسین دونوں اس کالج کی شاندار عمارتوں

اور اعلیٰ تعلیم و تربیت کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے۔ جب میں ۱۹۷۵ء میں ایران گیا تھا تو وہ فلم دکھائی گئی جس میں اس کالج کی شاندار عمارتوں اور جناب بشیر احمد صاحب سعید ان کی بیگم صاحبہ اور ایگزیکیٹو کمیٹی کے ممبروں کی صاف اور واضح تصویریں تھیں۔ ۱۹۷۰ء میں پریسیڈنٹ وی۔ وی گری نے اس لائبریری کا افتتاح کیا تھا۔ ان کی دعوت پر ہندوستان کے بڑے بڑے سیاسی رہنما یہاں آئے ہیں جن میں پروفیسر ہمایوں کبیر، ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر رادھا کرشنن، پریسیڈنٹ وی۔ وی گری، سری راجگوپال آچاریہ، شیر کشمیر جناب شیخ عبداللہ کا نام نامی لیا جا سکتا ہے۔ ان کے علاوہ ہندوستان کے ذی اقتدار گورنر وزراء، جج اور اسکالرس بھی یہاں آئے ہیں، مولانا عمران خان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، پروفیسر سعید احمد اکبرآبادی، مولانا محمد یوسف صاحب اصلاحی امیر جماعت اسلامی وغیرہ بھی یہاں تشریف لائے ہیں اور یہاں کے طالبات کے سامنے تقریریں کی ہیں۔ اس کالج میں چار ہزار سے زیادہ لڑکیاں پڑھتی تھیں اور ایک سَو اسّی استانیاں کام کر رہی تھیں۔ اب اسٹرائک کے بعد ان کی تعداد گھٹا دی گئی ہے اس کالج کی نظیر پورے ہندوستان میں ملنی مشکل ہے۔

جسٹس بشیر احمد صاحب سعید کا تعلق یہاں کے مختلف اداروں کے ساتھ رہا ہے آپ نے جس ادارے کو بھی ہاتھ لگایا اس کو ترقی کے اعلیٰ منازل پر پہنچا دیا۔

ڈاکٹر محمد عبدالحق صاحب مرحوم ۱۹۴۶ء میں کرنول میں عثمانیہ کالج قائم کیا جس کے اہم ممبر جسٹس بشیر احمد صاحب سعید بھی تھے آپ ایک وفد لے کر آصف جاہ سابع میر عثمان علی خاں حیدرآباد سے ملے اور اس کالج کے لیے بڑی رقم دلوائی پھر ان کے فرزند میر کرم جاہ سے بھی ملے اور اس کالج کے لیے بہت بڑا چندہ حاصل کیا۔ ڈاکٹر محمد عبدالحق صاحب مرحوم کی وفات کے بعد ۱۹۵۰ء میں جناب عبدالحمید خاں صاحب صدر ہوئے ان کی وفات کے بعد ۱۹۶۱ء میں جسٹس بشیر احمد صاحب سعید صدر ہوئے اور آٹھ سال تک صدارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن آندھرا پردیش نے اس کالج کو کاسموپولیٹن وغیرہ عبدالنظیر

کردی تو جسٹس صاحب نے اس پر بہت سخت تنقیدیں کیں۔ ڈائرکٹر چاہتا تھا کہ داخلے کے وقت ذی ثروت والدین سے کوئی روپیہ وصول نہیں کیا جائے۔ جسٹس صاحب نے اس کی بات نہیں مانی اور باقاعدہ ان سے روپیہ وصول کرنا شروع کیا۔ آخر ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن نے اساتذہ کی گرانٹ بند کردی جو چھ مہینوں تک بند رہی جب جسٹس صاحب اس کو منانے میں کامیاب نہیں ہوسکے تو آدھر ایروریش کے مشیر اعلیٰ کو ایک لمبا ٹیلیگرام بھیجا اور اس کو بتایا کہ ڈائرکٹر نے چھ مہینوں سے بلا وجہ گرانٹ بند کررکھی ہے۔ اس نے ٹیلیفون پر ڈائرکٹر سے گفتگو کی۔ اس نے بتایا کہ ذی ثروت والدین سے جبراً روپیہ وصول کررہے ہیں۔ اس نے کہا یہ تو ہر ایک کالج میں ہو رہا ہے اس لیے اساتذہ کی گرانٹ بند کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فوراً گرانٹ جاری کیا جائے اس نے فوراً اس کی تعمیل کی اور جسٹس صاحب کو معذرت کا خط لکھا اس کے بعد سے کالج کے معاملات میں اس کی مداخلت بند ہوگئی۔

شہر مدراس میں ۱۹۰۸ء میں مسلمانوں کے لیے ایک یتیم خانہ "انجمن حمایت اسلام" کے نام سے قائم ہوا۔ جہاں یتیم طلبہ و طالبات کی تعلیم و تربیت ہو رہی تھی۔ مگر فنڈ کی کمی کی وجہ سے اس کے اندر کوئی ترقی نہیں ہوسکی جسٹس بشیر احمد صاحب سعید ۱۹۳۴ء میں اس انجمن کے ممبر بنے پھر اس کے لیگل ایڈوائزر رہے۔ انھوں نے سری راجگوپال اچاریہ سے کہہ کر شہر مدراس کے وسط میں سولہ ہزار پانچسو روپیوں میں ۱۹ ایکڑ زمین کا احاطہ اس انجمن کو دلوایا اور پھر اس کی اسٹامپ ڈیوٹی پینتالیس ہزار روپیہ معاف کروائی۔ ۱۹۴۵ء میں جب وہ اس ادارے کے صدر ہوئے تو انھوں نے انجمن کے لیے شاندار عمارتیں قائم کیں اور پھر ایک عظیم الشان مسجد ۲۱ قدم اونچی دیواروں پر بنائی جس کا افتتاح شیخ انس یوسف یاسین مرحوم سفیر دولت سعودیہ دہلی کے ہاتھوں سے کرایا۔ یہ ۱۹۷۲ء تک اس انجمن کے صدر رہے۔ اس انجمن کی ترقی تمام تر مرحوم ہی کی مرہون منت ہے۔ اسی عالیشان

مسجد میں جسٹس بشیر احمد صاحب سعید کے جنازے کی نماز ادا ہوئی ہے۔ یہ انھیں کا کام تھا کہ بہت ہی کم قیمت پر یہ قطعہ خریدا تھا۔ آج اس کی قیمت لاکھوں روپیوں کی ہوگئی ہے۔

نوایط خاندان کی ایک مخیر بی بی شرف النساء بیگم نے مدراس کے شاہراہ عام پر ایک مسجد قائم کی تھی۔ جن سے جسٹس بشیر احمد صاحب سعید کے خاندانی تعلقات تھے۔ مسٹر جسٹس یحییٰ علی صاحب اس کمیٹی کے صدر تھے۔ ۱۹۴۹ء میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کی وفات کے چار سال بعد ۱۹۵۳ء میں جسٹس بشیر احمد صاحب اس کے صدر ہوئے۔ سب سے پہلے انھوں نے ان لوگوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جنھوں نے اس مسجد کے اوقاف پر ناجائز قبضہ کر رکھا تھا۔ جب اس کی آمدنی بڑھنے لگی تو مسجد کی مرمت کروائی اور بالائی منزل بھی بنوائی اور مسجد کے لیے ایک اچھا امام اور خطیب مقرر کیا اور پھر اس مخیر بی بی کے قریبی رشتہ دار محمد غوث جیدہ کو اس کا سکریٹری بنایا گیا۔ اس طرح اوقاف سے کافی آمدنی شروع ہوگئی۔ اور چار لاکھ روپیہ بینک میں فکسڈ ڈپازٹ میں جمع ہوگیا۔ جس سے ماہوار دس ہزار روپیوں کی آمدنی ہونے لگی جس کو آج نادار طلبہ و طالبات کی مالی مدد کرنے میں صرف کیا جارہا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو یہ مسجد اپنی پرانی حالت پر باقی رہتی۔ اس کی آمدنی مسجد ہی کے لیے کافی نہ ہوتی تو پھر نادار طلبہ و طالبات پر کیونکر کوئی روپیہ صرف ہوتا تھا۔

آپ کی توجہ ابتدا ہی سے طالبات کی دینی تعلیم و تربیت کی طرف تھی اور مدراس یونیورسٹی سے عربی زبان و ادب کے لیے بھی اپنے کالج کا الحاق کروایا۔ مگر اب تک ان کو کوئی متدین اور قابل معلمہ نہیں مل سکی جو عربی زبان اور دینیات کی تعلیم دے سکتی ہو اس لیے مردوں میں ایسے معمر اساتذہ مقرر کیے جو ہفتہ میں تین دن کالج آکر عربی اور دینیات کی تعلیم دے سکتے تھے

آپ نے کالج کے احاطہ میں نئے طرز کی ایک مسجد تعمیر کروائی جس کی بنیاد قاضی مفتی حبیب اللہ صاحب مرحوم نے ۱۶ جولائی ۱۹۶۲ء میں رکھی مسجد کی تعمیر کے بعد مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی کو بلایا۔ ۲۹ جولائی ۱۹۶۶ء کو مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے اس مسجد کا افتتاح کیا۔

یہاں کے بعض نا ہنجاروں نے اس کے خلاف ایک بڑا ہنگامہ برپا کیا اور الجمعیۃ دہلی میں غلط طور پر لکھا کہ اس مسجد میں لڑکیاں غسل کرنے کے حوض کے پانی سے وضو کرتی ہیں اور مردوں کے ساتھ باجماعت نماز پڑھ رہی ہیں۔ جب یہ مضمون الجمعیۃ دہلی میں شائع ہوا تو میں نے اس کے ایڈیٹر کو خط لکھا کہ اس کا عمل اس آیت پر ہونا چاہیئے تھا۔ خدا فرماتا ہے :

یا ایہا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا أن تصیبوا قوما بجہالۃ فتصبحوا علیٰ ما فعلتم نادمین۔ (الحجرات ۶)	اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم اس کو جانچ کر کے دیکھو تاکہ تم نادانی سے کسی قوم کو اذیت نہ پہنچاؤ اور پھر اپنے کیے پر شرمندہ نہ ہو جاؤ۔

ایڈیٹر کا فرض تھا کہ پہلے جسٹس بشیر احمد صاحب سعید سے پوچھ لیتے کہ آیا یہ ایک حقیقت ہے؟ حالانکہ سب لوگ جانتے ہیں کہ پانی کنوئیں سے اوپر ٹینک میں چڑھایا جاتا ہے اور پھر یہ پانی نلوں کے ذریعہ مسجد کو پہنچتا ہے۔ یہ پانی اتنا پاک ہے کہ نمازی وضو کرنے کے بعد اس کو پی بھی سکتے ہیں۔ مگر عصبیت کا برا ہو کہ الجمعیۃ کے ایڈیٹر نے نہ میرا یہ خط چھاپا اور نہ اس کا کوئی جواب ہی دیا۔

جسٹس صاحب نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں "عورت اور مسئلہ امامت" پر شرعی حیثیت سے ایک مضمون لکھوں۔ یہ مضمون ۳۲ صفحوں میں "برہان" دہلی فروری ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا۔ میں مولانا سعید احمد اکبرآبادی کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اپنی مہربانی سے میرے اس مضمون کو برہان میں جگہ دی۔ یہ مضمون پندرہ روزہ ترجمان دہلی یکم و پانزدہم مارچ و یکم اپریل ۱۹۶۷ء اور ماہوار مجلہ ثقافت لاہور وغیرہ میں نقل کیا گیا۔ ایڈیٹر ترجمان نے اس مسئلہ میں علمائے کرام کی رائے مانگی تھی مگر کسی نے بھی اس پر کوئی قلم نہ اٹھایا۔

اس مسجد میں بہت سے لوگوں نے انگریزی اور اردو خطبے دیے ہیں اور طالبات کو اسلامی مسائل سمجھائے ہیں۔ مجھے بھی کئی مرتبہ انگریزی میں خطبوں کے دینے کا موقع ملا۔ کالج کا مردانہ

استاف بھی اس نماز میں شریک ہوتا تھا۔ مرد سامنے ہوتے تھے۔ عورتیں اور لڑکیاں پیچھے کھڑی ہوتی تھیں۔

اب سیدہ فاطمہ اختر صاحبہ نے ایک تعلیم یافتہ عورت کو جو مدراس یونیورسٹی سے بی۔اے پاس کیا ہے اور قرآن و حدیث کا بھی تھوڑا بہت علم رکھتی ہے اس مسجد کا امام مقرر کر دیا ہے۔ وہی جمعہ کے دن خطبے دیتی ہے اور پھر نماز پڑھاتی ہے، اب مرد یہاں داخل نہیں ہوتے۔ اس مسئلہ پر ہم تحقیق کر رہے ہیں کہ آیا عورتیں خود ہی نماز پڑھا سکتی ہیں اور خطبہ دے سکتی ہیں۔ بہت سا مواد ہمارے پاس موجود ہے۔ حضرت امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ نے کتاب الام میں پوری وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ عورتیں عورتوں کی امامت کر سکتی ہیں شیخ اکبر شیخ محی الدین ابن عربی المتوفی ۶۳۸ھ اس کے قائل ہیں کہ عورتیں مردوں کی بھی امامت کر سکتی ہیں۔

مرحوم نے شیخ الازہر سے ایک ایسی عالم و فاضل معلمہ کو بھیجنے کی درخواست کی تھی جو انگریزی میں عربی زبان اور دینیات سکھا سکتی ہو۔ انھوں نے شیخ عبدالسلام جوہری الازہری کو بھیجا۔ جنھوں نے ان لڑکیوں کو دو سال تک تعلیم دی۔ چونکہ وہ انگریزی نہیں جانتے تھے اور نہ بول سکتے تھے اس لیے ان کی ذات سے لڑکیوں کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکا۔

ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کی تحریک پر ۱۹۴۲ء میں جسٹس مرحوم پانچ سال کے لیے علیگڈھ یونیورسٹی کے ممبر ہوئے تھے۔ ۱۹۵۸ء میں کورٹ کی ایگزیکٹیو کونسل کے ممبر مقرر کیے گئے اور ۱۹۶۵ء تک اس کے ممبر رہے۔ علیگڈھ کے انجینئرنگ کالج میں علیگڈھ یونیورسٹی کے طلبہ کا داخلہ ۷۵ فیصد تھا نواب علی یاور جنگ اپنی وائس چانسلری کے زمانے میں اس تناسب کو گھٹا کر ۵۰ فیصد کر دیا جس کی وجہ سے یونیورسٹی کے طلبہ میں بڑی بے چینی پیدا ہو گئی اور وہ مار پیٹ پر اتر آئے۔ نواب علی یاور جنگ کو

۳۹ زخم لگے اوران کو دہلی کے ہاسپٹل میں داخل کروا دیا گیا۔ بشیر احمد صاحب سعید بیچ میں پڑکر اس ہنگامے کو پُرامن طریقہ پر طے کرنا چاہتے تھے۔ مگر نواب علی یاور جنگ اور اُن کے حامیوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ وہ طلبہ کو ان کے خلاف اکسا رہے ہیں۔
یو۔پی ریاست کی وزیراعظم مسز سوچیتا کرپلانی نے بشیر احمد صاحب سعید کو قید کرنے آرڈر دے دیا۔ یو پی پولیس کے افسر مدراس پولیس کے افسروں سے ملے اور انھوں نے ان کو قید کر لیا اور گھر سے براہ راست سنٹرل اسٹیشن مدراس لے کر چلے گئے۔ جب ان کے ہندو دوستوں کو خبر ملی تو مسٹر وی راجگوپال آچاری جو اُن کو بہت چاہتے تھے اور اس وقت کے بہت بڑے کریمنل لائر تھے۔ مدراس ہائی کورٹ پہنچے اور جج کے سرینواسن سے ضمانت پر انھیں رہا کر دینے کی درخواست کی۔ رہائی کا پروانہ لیکر مسٹر ٹی۔ایس راجگوپال آچاری جو جج صاحب کے دوسرے بہت بڑے دوست تھے۔ سنٹرل اسٹیشن پہنچے اور ان کو رہا کرایا اس وقت اُن کی دل کی حرکت بڑھ گئی تھی اس لیے ان کو جنرل ہاسپٹل میں داخل کر دیا گیا اور کئی دن کے بعد انھوں نے شفا پائی۔ ان کے اوپر الہ آباد ہائی کورٹ میں مقدمہ چلایا گیا مگر اُن کے خلاف الزامات ثابت نہیں کیے جا سکے۔ یو پی کی حکومت نے اکتوبر ۱۹۶۶ء میں اپنا مقدمہ واپس لے لیا۔ مسٹر فخر الدین علی احمد کے کہنے کی بنا پر بشیر احمد صاحب سعید نے ہرجانہ کا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ ایم سی چھاگلہ بشیر صاحب سعید کے سخت دشمن ہو گئے تھے۔ جب کویت یونیورسٹی سے اس کے افتتاح کے سلسلے میں انھیں دعوت آئی تو چھاگلہ نے ان کو بھیجنے نہیں دیا۔

آپ نے ۱۹۷۰ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی قایم کی جس کے سالانہ اجلاس مدراس، کالی کٹ، بمبئی اور پٹنہ میں ہوتے تھے۔ اور جس کے صدر اس وقت ڈاکٹر پی کے عبدالغفور کالی کٹ ہیں۔ اس کے تحت جنوبی ہند میں اور خاص کر کیرلا میں کئی علمی و تعلیمی ادارے کام کر رہے ہیں سال کی وجہ سے مسلمانوں میں دین و ملت کی ایک نئی روح پھونکی جا رہی ہے۔

اسی طرح آپ نے ۱۹۷۶ء میں اسلامک سوسائٹی آف انڈیا قائم کی۔ انھوں نے وزیر اعظم مرارجی ڈیسائی کے نام اپریل ۱۹۷۷ء کو ایک تفصیلی میمورنڈم بھیجا جس میں ایسے متعدد مسئلوں کی تفصیل تھی جن میں مسلمانوں کے ساتھ حکومت ہند کی طرف سے کوئی اچھا سلوک نہیں ہو رہا ہے۔ آپ نے ہر مسئلہ کے متعلق پورے اعداد و شمار بھی دیے جن کو کوئی انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ آپ اپنے رفقاء کے ساتھ ۱۳ مئی ۱۹۷۷ء کو تین بجے مرارجی ڈیسائی سے ملے اور مدلل بحث کی۔ مرارجی ڈیسائی ان کی باتوں اور ان کے دلائل سے بہت متاثر ہوئے اور کہا وہ ضرور ان مسائل کی طرف پوری توجہ کریں گے۔ بشیر احمد صاحب سعید اس ملاقات کی تفصیل عوام کے فائدے کے لیے چھپوا دینا چاہتے تھے مگر مرارجی ڈیسائی نے لکھ دیا کہ اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

آپ کو ادیان کے تقابلی مطالعہ سے بے حد دلچسپی تھی۔ جب کبھی کوئی مشنری لندن یا امریکہ سے ان کے پاس آتا تھا تو اس سے ایسی مدلل اور دلچسپ گفتگو کرتے تھے کہ ہمیں اس پر بڑی حیرت ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ گرد کل لوتھرن تھیالوجیکل کالج اور ریسرچ انسٹیٹیوٹ پرسواکم مدراس منا کے ڈائرکٹر ریورنڈ ہربرٹ ہوئے فر Hoefer مجھ سے ملے اور کہا کہ یورپ و ایشیا اور مشرق اقصیٰ کے اکیس مسیحی مشنری مدراس آئے ہیں اور یہ سب ہم مسلمانوں کی جمعہ کی نماز دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ کیوں کر پڑھی جاتی ہے۔ اور پھر سیمینار ہو جس میں کوئی مسلمان عالم یہ بتائے کہ اسلام لانے کے بعد مرد و عورت میں کیا تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ میں نے اپنے بعض احباب سے اس مسئلہ پر گفتگو کی تو کوئی بھی راضی نہیں ہو سکا کہ ان کو اپنی مسجدوں میں بلایا جائے۔ کیونکہ انھیں یہ خوف تھا کہ ہمارے انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان کہیں ان مسیحی مشنریوں سے متاثر نہ ہو جائیں۔ میں نے مجبوراً جسٹس صاحب سعید سے گفتگو کی۔ انھوں نے فوراً مجھ سے انگریزی میں کہا کہ مسلمانوں کے لیے یہ شرم کی بات ہے کہ وہ مسیحیوں کے مقابلے سے ڈرتے ہیں۔ انھیں یہاں ایس۔ آئی۔ ای۔ ٹی وومین کالج کی

مسجدمیں بلاؤں میں انتظام کرتا ہوں۔ انھوں نے افضل العلماء مولانا محمد حسین صاحب ایم۔ اے پرنسپل جامعہ عربی کالج مدراس سے فرمایا کہ وہ انگریزی میں اس موضوع پر ایک بسیط تقریر کریں اور مجھ سے فرمایا کہ تم جمعہ کا خطبہ انگریزی میں دو۔ میں نے قرآن مجید سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا درجہ ہے بتایا۔ اس میں شہر مدراس کے بہت سے اہل علم اور اہل ذوق تاجر اور افسر بھی آئے ہوئے تھے۔ ۲۳ جولائی ۱۹۸۶ء کو کالج کے احاطہ میں دوپہر کے کھانے کے بعد ایک سیمنار ہوا جو ڈھائی بجے سے ساڑھے پانچ بجے تک چلا۔ افتتاحی تقریر کے بعد مولانا محمد حسین صاحب نے تقوی اور توبہ پر ایک بسیط تقریر فرمائی۔ بہت سے مشنریوں نے اس سیمنار میں حصہ لیا۔ جس میں اسلام اور مسیحیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔ میں نے انگریزی میں شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ مسیحیوں اور مسلمانوں کے درمیان آپس کی ملاقات اور گفتگو کا یہ پہلا موقعہ ہے جس میں آپس کے اختلافی مسائل پر بہت تفصیلی بحث ہوچکی ہے۔ اگر اور اس قسم کے سیمنار ہوتے رہیں تو یہ دونوں ایک دوسرے سے بہت زیادہ قریب ہوسکتے ہیں ہونے فرنے کچھ دن کے بعد اور مسائل کی طرف توجہ دلائی مگر چونکہ ہمارے مسلمان ان مسیحیوں کو اپنی مسجدوں اور مجلسوں میں بلانا نہیں چاہتے اس لیے میں ان سے کترایا کرتا ہوں بعض وقت مجھے ہونے فرے گفتگو کرتے بڑی شرمندگی ہوتی ہے۔ ہم مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا ایمان بازار میں آئے گا تو بک جائے گا۔ جب تک مسلمان اس خوف سے دور نہ ہوں گے مسیحیوں کو اپنی طرف کھینچ نہیں سکتے۔ میں نے انفرادی طور پر ان مسیحیوں اور ہندوؤں سے گفتگو کی ہے۔ اور ورلڈ ریلیجس کانفرنس پر تاکولم میں نومبر ۱۹۸۱ء میں بھی شرکت کی ہے۔

جب آندریو و تکن مسیحی لندن سے Money Rush کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں سعودی حکومت کے ارباب اقتدار افسروں پر اخلاقی حیثیت سے سخت تنقید کی تھی۔ بشیر صاحب سعید نے ۲۰ر اکتوبر ۱۹۸۵ء کو مجھے بلایا اور کتاب دکھائی۔ میں نے کہا کہ تکن نے سب کے نام لیے ہیں۔ اگر یہ الزامات سچے نہ ہوتے تو وہ ان کے نام لینے کی جرأت نہیں

کرسکتا تھا۔ تاہم بشیر احمد صاحب سعید نے عربی میں شاہ خالد بن عبدالعزیزؒ کے نام خط لکھوایا اور کہا کہ اس حصہ کی پوری تردید ہونی چاہیے۔ شاہ موصوف نے ان کا شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ وہ دکن کے بیانات کی تردید کریں گے۔ نہیں معلوم کہ اس کے متعلق سعودی عربیہ میں کیا کام ہوا ہے۔

میں نے اور مولانا محمد حسین صاحب نے انھیں توجہ دلائی کہ مدراس میں بھی ریسرچ اکاڈمی قائم ہونی چاہیے جس کی طرف سے جنوبی ہند کے علماء، وفضلاء، وادباء وشعراء کی تصنیفات نقد وتنقید اور مقدمے کے ساتھ شائع کی جائیں۔ آپ نے اور آپ کی زوجۂ محترمہ نے ہماری یہ تحریک منظور کرلی اور اس کے لیے بائیس لاکھ روپیہ منظور کیا۔ ستمبر ۱۹۸۱ء میں "اکاڈمی آف اسلامک ریسرچ" ڈیمنس کالج کے احاطے میں قایم کی جس کا جنرل سکریٹری مجھے بنایا گیا۔ سب سے پہلے الفانسو لیٹینے دینے فرانسیسی (۱۸۶۱ - ۱۹۲۹ء) کی مشہور کتاب "دی لائف آف محمد ی پرافٹ آف اللہ" منتخب ہوئی۔ یہ کتاب ۱۹۱۶ء میں بوسعادہ الجزائر میں لکھی گئی تھی، دو سال بعد ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی۔ مولانا محمد حسین صاحب نے اس پر نوٹس اور ذیل لکھے ہیں یہ کتاب اس وقت چھپ گئی ہے اور اس کی جلد بندی ہورہی ہے۔ انشاء اللہ ایک دو ہفتہ میں شائع ہوجائے گی۔ مگر اس سے پہلے جسٹس صاحب کی خود نوشتہ سوانح عمری " مائی لائف اے اسٹرگل " جو ان کے بچوں کے اصرار پر لکھی تھی شائع ہوگئی ہے پھر یازدہ سورے اردو اور انگریزی ترجمہ کے ساتھ پاکٹ سائز پر چھپ رہے ہیں تاکہ ان کو تعلیم یافتہ عورتوں کے درمیان مفت تقسیم کیا جائے یہ بھی انشاء اللہ ایک مہینہ کے اندر چھپ جائیں گے۔

مولانا سید عبداللطیف ذوقی ویلوری المتوفی ۱۹۶۰ھ فارسی کے ایک بدیہہ گو شاعر گزرے ہیں۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر نظم میں معجز مصطفیٰ لکھی ہے۔ ہمارا ارادہ تھا کہ فارسی میں مقدمہ اور حاشیوں کے ساتھ اس کو اس اکاڈمی کی طرف سے

شائع کیا جائے، پھر مولانا باقر آگاہ ویلوری المتوفی سنہ ۱۲۲۰ھ نے سنہ ۱۱۹۹ھ میں چہار صد ایراد بر کلام آزاد کے نام سے فارسی میں ایک سخت تنقید کی تھی ایک سال بعد مولانا غلام آزاد علی بلگرامی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ عبدالمجید دہلوی نے قسطاس الانصاف کے نام سے مولانا باقر آگاہ پر تنقید کی ہے۔ ان کے نسخے ندوۃ العلماء کی لائبریری میں موجود ہیں۔ ہم نے ان کی فوٹو کاپیاں منگوائی ہیں۔ ان کو بھی ہم اس اکاڈیمی سے چھپوانا چاہتے تھے۔ اسی طرح مولوی محمد حسین تمنا المتوفی سنہ ۱۲۷۶ھ سنہ ۱۸۶۰ء نے فارسی میں کرناٹک کی ایک مبسوط تاریخ لکھی [illegible] صفحوں میں پھیلی ہوئی ہے اس کا ایک قلمی نسخہ ان کے خاندان میں تھا ہم نے اس کے فوٹو کاپی لے لیے ہیں۔ ہم چاہتے تھے کہ آئندہ میٹنگ میں ان کتابوں کی تصحیح و تحقیق اور ان کے چھپوانے کی تجویز پیش کریں۔ مگر جسٹس صاحب کی اس اچانک وفات کی بنا پر ہماری ساری امیدوں پر پانی پھر گیا ہے۔

مدراس یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب ایس شانتپا نے تجویز پیش کی تھی کہ ایک سو پچیس سالہ جوبلی کی خوشی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی طرف سے مدراس یونیورسٹی میں تحقیقی شعبے قائم کیے جائیں۔ جینی مذہب کے ہندوؤں نے آگے بڑھ کر پندرہ لاکھ روپیہ فراہم کر کے دینے کی حامی بھری۔ شانتپا نے جسٹس صاحب کو اسلامک اسٹڈیز ڈیپارٹمنٹ کے کھولنے کی طرف توجہ دلائی۔ جسٹس صاحب کے کہنے پر مسلمان تاجروں اور افسروں کی ایک میٹنگ بلائی گئی مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ اس لیے جسٹس صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ سدرن انڈیا ایجوکیشن ٹرسٹ کی طرف سے بیس لاکھ روپیہ یونیورسٹی کو دیں گے۔ چنانچہ انھوں نے ۲۷ راگست ۱۹۸۳ء کو عمائدین شہر و اساتذہ کی موجودگی میں ہوٹل کنمرا میں شانتپا کو یہ رقم پیش کی اس موقعہ پر مختلف مقررین نے جسٹس صاحب اور ان کی رفیقۂ حیات کی بہت تعریفیں کیں۔ غالباً اس جولائی میں اسلامک اسٹڈیز کا ڈیپارٹمنٹ کھل جائے گا۔ اس خوشی میں شانتپا نے سنڈیکیٹ کے ممبروں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ

جسٹس صاحب کو مدراس یونیورسٹی کی طرف سے ایل۔ ایل۔ ڈی کی اعزازی ڈگری پیش کی جائے۔ تمام ممبروں نے ان سے پورا اتفاق کیا مگر جسٹس صاحب نے ڈگری لینے سے انکار کر دیا۔ عمائدین شہر ان سے ملے اور اس مسئلہ پر بہت دیر تک گفتگو کی۔ آخر میں بشیر احمد صاحب سعید نے یہ جواب دیا کہ اگر میں یہ ڈگری قبول کر لوں تو سب سے پہلے میری ہی قوم یہ کہے گی کہ بیس لاکھ روپیہ دے کر یہ ڈگری خریدی ہے۔ جب خاندان نے اور زیادہ اصرار کیا تو لکھ دیا کہ آپ میری موت کے بعد مجھے یہ ڈگری دیجیے۔ میں اپنی زندگی میں اس کو لینا نہیں چاہتا۔ کس کو کیا معلوم تھا کہ اس طرح وہ چند مہینوں میں راہی عدم ہو جائیں گے۔

جسٹس بشیر احمد صاحب سعید بے حد خلیق تھے۔ ہر وقت کام میں لگے رہتے تھے ہم کو بھی وقت پر کام کرنے کی نصیحت کرتے تھے۔ جب وقت پر ان کے انگریزی خطوط کا عربی ترجمہ نہیں دیتا تھا وہ بگڑ جاتے تھے۔ میری زندگی میں بہت سے واقعے پیش آئے جن کی تفصیل پیش کرنا طوالت کا باعث ہے۔

وفات سے ایک دن پہلے میں اتوار کی صبح کو ان سے ملا تھا انھوں نے انگریزی سیرت اور زیادہ سورے کی چھپائی کے متعلق پوچھا۔ میں نے کہا انگریزی سیرت کی جلد بندی ہو رہی ہے پیر کی رات کو وہ ایک دعوت سے گھر لوٹے اور رات کے دو ڈھائی بجے تک ضروری معاملات پر غور و خوض کرتے اور لکھتے رہے۔ صبح ساڑھے پانچ بجے بیدار ہوئے اور ضروریات سے فارغ ہوئے صبح کی نماز پڑھی۔ بیوی سے کہا کہ سانس لینے میں تکلیف ہو رہی ہے۔ ٹیلیفون پر ڈاکٹروں کو بلایا۔ پہلے بھی دو مرتبہ ان پر دل کا دورہ پڑا تھا تو ان کو قریب کے ہاسپٹل ازابلا اور ولنگٹن ہاسپٹل میں علاج کیا اور درست ہو کر آئے۔ جب بیوی اور ڈاکٹروں نے ان کو ازابلا لے جانا چاہا تو کہا نہیں ولنگٹن ہاسپٹل چلو۔ خود ہی چل کر موٹر گاڑی میں آ بیٹھے۔ ہاسپٹل پہنچنے کے ڈیڑھ دو گھنٹے کے اندر اندر ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بجلی کی طرح یہ خبر فوراً پھیل گئی۔ جب اُن کے بچوں کو فون پر اطلاع ملی تو انھوں نے جوابی فون سے اطلاع دے دی کہ ان کے آنے تک ان کو دفن نہ کیا جائے۔ چنانچہ بچوں کے آنے کے بعد ہی ۱۰ر فروری کو انھیں دفن کیا گیا۔

انھوں نے کالج کے لیے تقریباً چورانوے لاکھ روپیہ جمع کیا ہے۔ اس پر بھی ان کو تشفی نہیں ہو سکی۔ انھوں نے کالج کے جنوب مغربی رُخ پیراھد پونے پانچ گردنڈ (ایک گروندٹھ ۲۷۰ مربع قدم کا ہوتا ہے) زمین ایک لاکھ ترسٹھ ہزار تین سو تینتیس روپیوں میں خریدی جو حکومت ہند کے ڈیفنس ڈپارٹمنٹ میں تھی اور اس پر دس منزلہ عمارت مارچ ۱۹۷۹ء میں مدراس کارپوریشن کی اجازت کے بغیر ہی کھڑی کر دی جس کی وجہ سے کارپوریشن نے اوپر کی چھ منزلہ عمارت کو ڈھا دینے کی ایک نوٹس دے دی۔ ہائی کورٹ میں یہ مقدمہ چلتا رہا۔ آخر فروری مارچ ۱۹۸۱ء میں ہائی کورٹ کے ججوں نے جسٹس صاحب کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

یہ عمارت ۷۵ لاکھ روپیوں میں تیار ہوئی ہے۔ شاہ خالد بن عبدالعزیز نے دس لاکھ روپیہ دیا۔ اس رقم کو دس منزلہ عمارت کے قرضہ کے ادا کرنے میں صرف کیے۔ اس عمارت سے سدرن انڈیا ایجوکیشن ٹرسٹ کو کافی آمدنی ہو رہی ہے۔ آپ نے اس ٹرسٹ کے لیے روپیہ حاصل کرنے کے لیے یورپ، امریکہ، کناڈا، مشرق اوسط اور مشرق اقصیٰ کے مختلف شہروں کا دورہ کیا اور کافی روپیہ جمع کیا جس کو پندرہ اوقاف میں تقسیم کر دیا ہے۔ تاکہ اس کے قایم کیے ہوئے ادارے بخیر و خوبی چل سکیں اور مالی پریشانیوں کے بغیر اپنے کام جاری رکھ سکیں۔ اس کی تفصیل ان کی سوانح عمری میں موجود ہے۔ ایک فرد واحد نے جو اتنا روپیہ جمع کیا اس کی نظیر کسی اور جگہ نہیں ملتی۔

(باقی آئندہ)

تردید

کہتی ہے تجھ کو خلق خدا...... از پروفیسر محمد اسلم صاحب لاہور۔

یہ مضمون مارچ [illegible] میں شائع ہوا ہے جس کی تصحیح نہیں کی گئی۔ جب یہ شمارہ شائع ہوکر آیا تو میری نظر سے یہ مضمون گذرا۔

جس میں حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے اور اسی عنوان کے تحت جناب ڈاکٹر سید سلمان ندوی صاحب نے جہاں مولانا مرحوم سے بے پناہ عقیدت مندانہ انداز میں خراج تحسین پیش کیا ہے وہ اگرچہ قابل ستائش ہے لیکن ان کے یہ الفاظ "برہان بھی اب ان کے ساتھ رخصت ہوا۔ ندوۃ المصنفین کی بساط رہی سہی لاج ان کے ساتھ ختم ہے"

میں سمجھتا ہوں ڈاکٹر صاحب موصوف کے یہ خیالات غیر حقیقت پسندانہ ہیں کیونکہ بحمد اللہ ادارہ ندوۃ المصنفین اور مجلہ "برہان" اپنی جملہ تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

پروفیسر محمد اسلم صاحب جو کہ مولانا اکبر آبادی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے داماد بھی ہیں ان کے مضامین ہمیشہ عمدہ آتے ہیں اس لیے ان کا نام دیکھ کر اور ان کی شخصیت پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے اس مضمون کو قابلِ اشاعت سمجھا گیا۔

ڈاکٹر سلمان ندوی صاحب کو اگرچہ مولانا موصوف کی شخصیت سے جو عقیدت ہے وہ الگ معاملہ ہے مگر اس کے ہرگز یہ معنی نہیں ہیں کہ اتنے عظیم ادارہ ندوۃ المصنفین اور اس کے علمی مجلہ "برہان" کو اپنے خیالات میں اس طرح گم ہو کر اس کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ان حضرات کا نام ابھی بھی زندہ ہے"۔

مقصد یہ ہے کہ اس مسئلہ کو بدنامی کی طرف نہیں موڑ دینا چاہیے۔

اس کوتاہی کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔ اس کے بعد مضمون کی مذکورہ سطور منسوخ سمجھی جائیں۔

عمید الرحمٰن عثمانی

ضروری تصحیح

موقر ماہنامہ "برہان" دہلی کی اشاعت اپریل ۱۹۸۶ء میں ایک مضمون بعنوان "حق تصنیف وطباعت کا حکم شرعی" ص۵ سے شائع ہوا ہے، اس میں طباعت و کتابت کی غلطیاں خاصی ہوگئیں، بعض تو ایسی ہیں کہ مفہوم ہی خبط ہوکر رہ گیا ہے اور بعض حوالے غلط ہو گئے ہیں اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ چند اہم غلطیوں کی تصحیح شائع کر دی جائے تاکہ قارئین کو سہولت رہے۔

نمبر صفحہ وسطر	شائع شدہ عبارت	کیا ہونا چاہیے
۹ - ۴ و ۵	"اسی طرح مصنف کو بھی .... تا .... مختار ہے"	یہ پوری عبارت قلم زد کر دی جائے کیونکہ مکرر چھپ گئی ہے اور ایک دوسری عبارت سے خلط ہوگئی ہے
۱۱ - آخری سطر حاشیہ :	"صحیح مسلم .... تا .... دہلی"	یہ عبارت قلم زد کر دی جائے اور اسے اگلے صفحہ (۱۲) کی عربی عبارت کا حاشیہ سمجھ کر پڑھا جائے۔
۱۲ - ۱۹	عـــہ (حاشیہ کا نشان) لیکن اس کا حاشیہ نیچے نہیں دیا گیا ہے، بلکہ دو صفحے بعد (ص۱۴) پر۔ عـــہ (نشان کے ساتھ) جو حاشیہ ہے اسے یہاں ہونا چاہیے۔	
۱۵ - آخری سطر حاشیہ۔	"سلہ بحوالہ حاشیہ ابوداؤد ص۱۳۸ ج۲"	بحوالہ حاشیہ ابوداؤد ص۱۳۵ ج۲ مطبع مجیدی کانپور۔
۱۶ - حاشیہ کی پہلی سطر سے آخری تک	"سلہ اس کی تفصیل شامی .... تا .... میں دیکھیے"	یہ عبارت یہاں سے قلم زد کر دی جائے بلکہ اگلے صفحہ (۱۷) کی عربی عبارت عہ لنزول عن

نمبر صفحہ و سطر	شائع شدہ عبارت	کیا ہونا چاہیے
		الوظائف" کا حاشیہ سمجھ کر پڑھیے (ص ۱۷، سطر ۱۱ پر عربی عبارت ہے)
۱۸۔ حاشیہ کی پہلی سطر	" باقی پچھلے صفحہ سے آگے "	اسے قلم زد کر دیا جائے۔
۲۰۔۱۹	" استفادہ کی اجازت کا عوضی مقرر کرنا مصنف کا "	استفادہ کی اجازت لی جائے کے برابر ہوگا۔ حاصل یہ کہ مطبوعہ نسخوں کی قیمت مقرر کرنا اور وصول کرنا تو طابع و ناشر کا حق ہوگا اور استفادہ کا عوض مقرر کرنا مصنف کا۔

حضرت عثمان ذوالنورینؓ

از مولانا سعید احمد اکبرآبادی: سیرت مقدسہ پر روشنی ڈالنے والی نئی، آخری اور عظیم یادگار۔ قیمت مجلد خوبصورت رنگین (عمدہ) -/۵۲ روپے

الحاج حضرت مولانا مولوی فقیر محمد یوسف دہلوی مفسر القرآن و محدث کے مرتب کردہ چند بیش بہا نادر جواہر ریزے۔

اربعین حدیثاً (کتاب)	ایک روپیہ
اربعین حدیثاً (چارٹ)	پچاس پیسے
اسماء الحسنیٰ (کتاب)	ایک روپیہ
اسماء الحسنیٰ (چارٹ)	پچاس پیسے
حدیث مقدس (")	" "
نقشہ نعل مبارک (")	" "
کلمات طیبہ (کتاب)	ایک روپیہ
کلمات طیبہ (چارٹ)	پچاس پیسے
چند ضروری مسئلے (")	" "
دعائے غزیبہ۔	پانچ روپے
ہفت گوہر	ایک روپیہ پچاس پیسے
پنجاہ قاف	" "
تعلیم القرآن (قاعدہ)	" "
روزہ و نماز عید	ایک روپیہ
مسائل قربانی و عقیقہ	" "
محرم حرام اور یوم عاشورہ	" "

نوٹ: اس کے علاوہ بیش قیمت اور نایاب دعاؤں کے پرچے مفت منگانے کے لیے لکھیں:

رحمن پبلیکیشنز (ادارۂ دینیات) ۲۷۔۵۲۴۲ چوڑی والان، جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶